© rasailojaraid.com





# تفسیر مأثور

پروفیسر الطاف احمد اعظمی

ذیل کے مقالہ میں جس نقطۂ نظر کی ترجمانی کی گئی ہے اس سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ اس کی بعض باتیں تفصیل طلب ہیں اور بعض باتیں دلیل کی محتاج ہیں، اس کے باوجود اسے ایک نقطۂ نظر کی حیثیت سے پیش کیا جارہا ہے۔ تفسیر ایک اہم اور نازک موضوع ہے۔ حدیث سے اس کا تعلق واضح ہے۔ جو حضرات تفسیر اور حدیث پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ توقع ہے کہ وہ اس کا بہتر جائزہ لے سکیں گے۔ تحقیقات اسلامی اس کا استقبال کرے گا۔ (جلال الدین)

تفسیری لٹریچر میں دو طرح کی تفسیریں ملتی ہیں۔ ایک وہ تفسیر جس کی بنیاد روایت پر ہے۔ اس میں اقوالِ رسول (جو بہت کم ہیں) اور اقوالِ صحابہ و تابعین شامل ہیں۔ اس کو تفسیرِ ماثور یا تفسیر بالرّوایۃ کہا جاتا ہے۔ علماء کا ایک بڑا گروہ صرف اسی طریقۂ تفسیر کو صحیح سمجھتا ہے اور اس کے علاوہ کسی اور طریقۂ تفسیر کو جائز نہیں رکھتا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

ونحن نعلم ان القرآن قرأه الصحابة والتابعون وتابعوهم وانهم كانوا اعلم بتفسيره ومعانيه، كما انهم اعلم بالحق الذى بعث الله به رسوله ، فمن خالف قولهم وفسّر القرآن بخلاف تفسيرهم فقد اخطأ فى الدليل والمدلول۔[1]

"ہم جانتے ہیں کہ قرآن کو (سب سے پہلے) صحابہ، پھر تابعین اور تبعِ تابعین نے پڑھا اور وہ اس کے معانی و مطالب کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، بالکل اسی طرح جیسے وہ اس حق کے سب سے بڑے عالم تھے جس کو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعے سے بھیجا تھا۔ اس لیے جس نے ان کے قول کی مخالفت کی اور ان کی تفسیر کے خلاف تفسیر کی تو اس نے دلیل اور مدلول دونوں میں غلطی کی۔"



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


دوسری تفسیر وہ ہے جس میں روایت کے ساتھ عقل کا استعمال بھی شامل ہے، لیکن زیادہ اعتماد عقل اور علم لسان پر رکھا جاتا ہے۔ یہ تفسیرِ غیر ماثور ہے۔ اس طرزِ تفسیر کے مخالف علماء اس کو تعریضاً تفسیر بالرّائے کہتے ہیں۔

## تفسیرِ ماثور کے اصول

تفسیرِ ماثور کا پہلا اور دوسرا اصول 'تفسیر القرآن بالقرآن والسنة' ہے، یعنی قرآن کی تفسیر قرآن سے کرنا اور اگر اس سے ممکن نہ ہو تو پھر سنت (حدیث) کی طرف رجوع کرنا۔ اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

ان اصح الطریق فی ذلک أن یفسر القرآن بالقرآن، فما اجمل فی مکانه فانه قد فسّر فی موضع آخر، وما اختصر فی مکان فقد بسط فی موضع آخر، فان أعیاک ذلک فعلیک بالسنة، فانها شارحة للقرآن وموضحة له، بل قد قال الامام ابوعبدالله محمد بن ادریس الشافعی: کل ما حکم به رسول الله فهو ممّا فهمه من القرآن۔[۲]

''تفسیر کا سب سے صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے۔ اس لیے کہ اگر ایک جگہ بات مجمل ہے تو دوسری جگہ اس کی شرح و وضاحت کردی گئی ہے۔ اسی طرح اگر کسی مقام پر اختصار ہے تو دوسری جگہ اس کو مفصّل کردیا گیا ہے۔ اگر قرآن سے تفسیر نہ ہوسکے تو پھر سنت کی طرف تمھاری رجعت ضروری ہے۔ اس لیے کہ وہ قرآن کی شارح و مفسّر ہے۔ امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی کا قول ہے کہ رسول اللہ نے جو حکم بھی دیا ہے وہ سب کا سب قرآن سے ماخوذ ہے۔''

علامہ ابن کثیر کا بھی خیال ہے کہ سب سے پہلے قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

فان قال قائل، فما احسن طریق التفسیر؟ (فالجواب): أن اصح الطریق فی ذلک أن یفسر القرآن بالقرآن۔[۳]

''اگر کوئی سائل پوچھے کہ تفسیر کا سب سے اچھا طریقہ کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ تفسیر کا سب سے صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے۔''


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


تفسیرِ ماثور کا تیسرا اصول 'تفسیر القرآن باقوال الصحابة' ہے، یعنی اگر قرآن کی کسی آیت کی تفسیر قرآن اور سنت سے نہ ہو سکے تو پھر اقوالِ صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے، کیوں کہ وہ قرآن کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

وحینئذ اذا لم تجد التفسیر فی القرآن ولا فی السنة رجعت فی ذلک الی اقوال الصحابة، فانهم ادریٰ بذلک لما شاهدوا من القرآن والاحوال الّتی اختصوا بها ولما لهم من الفهم التام والعلم الصحیح۔[۴]

''اور جس وقت قرآن اور سنت سے بھی تفسیر نہ ہو سکے تو اس صورت میں تمھیں اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ اس کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، انھوں نے قرآن کے نزول اور احوال کو، جو انھی سے متعلق تھے، خود مشاہدہ کیا تھا۔ اور اس بنا پر بھی کہ وہ فہمِ کامل اور علمِ صحیح رکھتے تھے۔''

تفسیرِ ماثور کا چوتھا اصول 'تفسیر القرآن باقوال التابعین' ہے، یعنی اگر قرآن وسنت اور اقوال صحابہ سے قرآن کی تفسیر نہ ہو سکے تو پھر اقوالِ تابعین کے مطابق تفسیر کی جائے۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

اذا لم تجد التفسیر فی القرآن ولا فی السنة ولا وجدته عن الصحابة فقد رجع کثیر من الأمة فی ذلک الی اقوال التابعین کمجاهد بن جریر، فانه آیة فی التفسیر۔[۵]

''اگر قرآن وسنت اور اقوالِ صحابہ سے بھی تفسیر نہ ہو سکے تو اس صورت میں بہت سے کبار امت نے اقوالِ تابعین کی طرف رجوع کیا ہے، مثلاً مجاہد بن جریر، جو تفسیر میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔''

## تفسیرِ ماثور کے اصولِ اربعہ کا تنقیدی جائزہ

تفسیرِ ماثور کے جن چار اصولوں کا اوپر ذکر ہوا، ان کا تنقیدی جائزہ لینا ضروری ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ تفسیر کے یہ چاروں اصول اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں اور اب کسی نئے اصولِ تفسیر کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ خیال کلیۃً صحیح نہیں ہے، جیسا کہ اگلی سطروں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



واضح ہو جائے گا۔

تفسیرِ ماثور کا پہلا اصول 'تفسیر القرآن بالقرآن' ہے۔ بلاشبہ یہ قرآن کی تفسیر کا سب سے عمدہ اصول ہے۔ لیکن افسوس کہ تفسیرِ ماثور کے قائل کسی مفسر نے اپنی تفسیر میں اس زرّیں اصول کی مکمل طور پر پیروی نہیں کی ہے۔ جہاں انھیں آسانی کے ساتھ کوئی مماثل آیت مل گئی وہ درج کر دی اور اس میں بھی اس بات کا اہتمام ملتا ہے کہ وہی آیات بطور نظائر پیش کی جائیں جن سے ان کے خیال و مسلک کی تائید ہوتی ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ اس اصول کی پیروی نہایت مشکل تھی، کیوں کہ اس کے لیے قرآن میں ایک طویل مدت تک غور وفکر درکار تھا۔ ظاہر ہے کہ جو مفسر بھی اس کا اہتمام والتزام کرتا وہ پورے قرآن کی تفسیر نہیں لکھ سکتا تھا اور ہر مفسر چاہتا تھا کہ وہ پورے قرآن کی تفسیر لکھے اور مفسّرِ قرآن کہلائے۔ مذکورہ اصول کی پیروی میں ایک دشواری یہ بھی تھی کہ اکثر مفسرین کا دوسرے اسلامی علوم سے گہرا شغف واشتغال تھا۔ اس غیر معمولی مشغولیت کی وجہ سے قرآن میں تدبّر کے لیے کافی وقت نکالنا مشکل تھا۔ ان ہی وجوہ سے تفسیر بالرّوایۃ کے طریقے کو ترجیح دی گئی۔

تفسیرِ ماثور کا دوسرا اصول 'تفسیر القرآن بالسنۃ' ہے۔ اس میں سنت کا لفظ مغالطہ انگیز ہے۔ بہت سے علماء سنت اور حدیث میں فرق نہیں کرتے اور دونوں کو مترادف اصطلاح سمجھتے ہیں، حالاں کہ ان میں فرق ہے۔[۶] ہم یہاں یہ مان کر گفتگو کریں گے کہ سنت سے مراد حدیث ہے، جس میں سنت بھی شامل ہے۔

عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے پورے قرآن کی تفسیر بیان کر دی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر تفسیر قرآن میں وہ حجّتِ قطعی ہوتی اور کسی دوسری چیز کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ نبی ﷺ سے چند ہی آیات کی تفسیر مروی ہے۔[۷] اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہؓ آپؐ سے بہت کم سوالات کرتے تھے۔

کتبِ تفسیر میں جو روایات بیان کی گئی ہیں ان میں رطب ویابس سب موجود ہے، اسرائیلیات کی کثرت ہے اور ان کا بڑا حصہ مراسیل[۸] پر مشتمل ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


مشہور قول ہے: ثلاثة امور لیس لها اسناد: التفسیر والملاحم والمغازی ۹؎ ''تین چیزوں کا اعتبار نہیں، ایک تفسیر، دوسرے ملاحم (غزوات) اور تیسرے مغازی (غازیوں کے مناقب)۔'' اس سلسلے میں امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

وفی التفسیر من هذه الموضوعات قطعة کبیرة مثل الحدیث الذی یرویه الثعلبی والواحدی والزمخشری فی فضائل سور القرآن، سورة سورة، فانه موضوع باتفاق اهل العلم۔۱۰؎

''تفسیر میں موضوع روایتوں کی کثرت ہے۔ مثلاً قرآن کی ہر سورہ کے فضائل کے بارے میں ثعلبی ۱۱؎، واحدی ۱۲؎، اور زمخشری نے جو روایتیں بیان کی ہیں وہ اہل علم کے نزدیک بالاتفاق موضوع ہیں۔''

مولانا حمید الدین فراہیؒ تفسیری روایات پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولکن فی ذلک العصر کثرت الروایات الضعیفة و اعتمدوا علیها فی التفسیر فصارت کتب التفسیر حاملة لروایات من الیهود والدجّالین الواضعین۔۱۳؎

''لیکن اس دور میں ضعیف روایتوں کی کثرت ہوگئی اور تفاسیر میں ان پر بھروسہ کرلیا گیا، جس کا نتیجہ نکلا کہ کتب تفسیر میں کثرت سے وہ روایتیں جگہ پاگئیں جن کے راوی یہود اور دجّال واضعین تھے یعنی جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے۔''

ابتدا میں تفسیری اقوال کو، جو صحابہ کی طرف منسوب ہیں، زبانی روایت کیا جاتا تھا، بعد میں جب حدیثیں جمع کی گئی تو ان میں ایک باب تفسیر سے متعلق روایات کے لیے رکھا گیا۔ امام بخاری نے اس سلسلے میں زیادہ اہتمام کیا ہے۔ انھوں نے صحیح بخاری میں ایک حصہ 'تفسیر القرآن' کے لیے اور دوسرا حصہ 'فضائل القرآن' کے لیے مختص کیا ہے اور دونوں باب مبسوط ہیں۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ان میں مرفوع روایات بہت کم ہیں۔

اس سلسلے میں زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ امام مالک کی 'مؤطا' میں جو حدیث کی پہلی مدوّن کتاب ہے، تفسیر سے متعلق بہت کم حدیثیں ہیں اور اس کے لیے انھوں نے علیحدہ سے کوئی باب قائم نہیں کیا ہے *۔ بہر حال کتبِ حدیث میں تفسیر سے

* مؤطا صرف احکام کی کتاب ہے۔ اس لیے اس میں بہت سے وہ ابواب نہیں ہیں جو حدیث کی دوسری کتابوں میں ملتے ہیں۔ (جلال الدین)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعلق روایات کا الگ باب قائم ہو جانے سے ان کی اہمیت میں اضافہ ہوا، الگ سے تفسیر لکھنے کا رواج شروع ہوا اور اس کی بنیاد ان ہی روایات پر رکھی گئی جو صحابہ، تابعین اور تبعِ تابعین سے مروی ہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، ان میں سے اکثر روایتیں کم زور ہیں اور اصولِ روایت و درایت کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی ہیں۔

یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ کتب حدیث کے تفسیری ابواب کے علاوہ جو مرفوع حدیثیں ان کتابوں میں درج ہیں اور جن کی تعداد زیادہ ہے ان سے تفسیر میں استفادہ کرنے میں کیا مضائقہ ہے؟ بلا شبہ جو مرفوع حدیثیں روایت و درایت کے اصول کی روشنی میں صحیح ثابت ہوں ان سے قرآن کی تفسیر میں ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ لیکن یہ بات فراموش نہ ہو کہ زیادہ تر حدیثیں بالمعنی روایت ہوئی ہیں اور ان کی حیثیت 'اخبار آحاد' کی ہے۔۱۴ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ قرآن کی طرح مرتبۂ یقین سے محروم ہیں۔ اور اس کو اہل حدیث بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس لیے قرآن کی تفسیر میں ان کو یقینی ذریعۂ علم کی حیثیت حاصل نہیں ہے، بلکہ اس کی حیثیت فرع کی ہے۔

لیکن اس اصول کا اطلاق ثابت شدہ سنتوں پر نہیں ہوگا کیوں کہ حدِّ تواتر کو پہنچنے کی وجہ سے وہ مرتبۂ یقین پر فائز ہیں۔ ہمارے نزدیک سنت سے مراد وہ حدیثیں ہیں جن میں قرآن کی آیاتِ احکام کی تشریح و توضیح کی گئی ہے، یعنی قرآن کے کلّی اصولوں کی روشنی میں ان کے عملی جزئیات متعین کیے گئے ہیں۔ اس بنا پر معروف معنی میں ان کو تفسیر نہیں کہا جائے گا۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ غیر تعبّدی سنتوں کا ایک بڑا حصہ وہ ہے جس میں عربوں کے رسوم و رواج اور اس وقت کے سماجی اور تمدنی حالات کا لحاظ رکھا گیا ہے، اس لیے ان کو آیات احکام کی دائمی تعبیر کا درجہ حاصل نہیں ہے۔۱۵

تفسیرِ ماثور کا تیسرا اصول 'تفسیر القرآن باقوال الصحابة' ہے، یعنی جب قرآن اور سنت دونوں سے قرآن کی کسی آیت کی تفسیر نہ ہو سکے تو پھر اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے، اس لیے کہ ان کے علم و عمل دونوں معتبر تھے۔ اس میں کیا دو رائے ہو سکتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ اس


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


لیے کہ قرآن ان کے سامنے ان ہی کے احوال و مسائل کے مطابق نازل ہوا تھا، پھر زبان ان کی تھی اور اس کے اسالیبِ بیان سے وہ خوب اچھی طرح واقف تھے۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

ان القرآن نزل بلغة العرب وعلیٰ اسالیب بلاغتهم، فكانوا كلّهم يفهمونه ويعلمون معانيه فی مفرداته و تراكيبه۔ ١٦

''بلا شبہ قرآن عربوں کی زبان اور ان کے اسالیب بلاغت کے مطابق نازل ہوا تھا۔ اس لیے وہ اس کو بخوبی سمجھتے تھے اور اس کے مفردات و تراکیب کے معنیٰ و مفہوم سے آگاہ تھے۔''

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے کہ ''قرآن ٹھیک ٹھیک بلا کسی تفاوت کے محاورۂ عرب کے موافق نازل ہوا اور اہل عرب اپنی زبان کے سمجھنے میں جو سلیقہ رکھتے تھے اس سے وہ قرآن کے معنیٔ منطوق کو سمجھ لیتے تھے۔'' ١٧

اس معنیٔ منطوق کا تعلق قرآن کے حصۂ محکمات سے ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن کی آیاتِ متشابہات میں غور و خوض سے احتراز کرتے تھے، حتّٰی کہ وہ صفات و قصص جن میں اجمال و ابہام ہے، ان کی تفصیل و توضیح کے بھی درپے نہیں ہوتے تھے، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ شارع کا مقصود یہاں تفصیل نہیں، بلکہ اجمال ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

''شارع کی مرضی ہے کہ قرآن کے متشابہات کی تاویل اور صفاتِ خداوندی کے حقائق کی صورت آفرینی اور مبہمات کی تعیین اور قصّوں کی تفصیل میں غور و خوض نہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں سوالات کم پیش کرتے تھے۔'' ١٨

طبری کی روایت ہے کہ ایک شخص نے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے قرآن کی آیت: تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (سورۂ معارج:۴) کے بارے میں پوچھا کہ اس میں یوم سے کون سا دن مراد ہے؟ فرمایا: هما يومان ذكرهما الله فی كتابه والله اعلم بهما، ''یہ دو دن ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جن کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور وہی ان کے بارے میں بہتر جانتا ہے"۔ راوی کہتے ہیں کہ انھوں نے ناپسند کیا کہ کتاب اللہ کی جس بات کو وہ نہیں جانتے اس کے بارے میں کچھ کہیں۔ [۱۹]

قرآن کے بارے میں صحابہؓ کے اس محتاط طرزِ عمل کے پیشِ نظر ان سے منسوب تفسیری اقوال کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ سب انہی کے فرمودات ہیں۔ سب سے زیادہ تفسیری اقوال حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب ہیں اور یہ تعداد میں زیادہ ہیں۔ لیکن امام شافعیؒ کا قول ہے کہ ابن عباسؓ سے تفسیر کے متعلق صرف ۱۰۰ روایات ثابت ہیں۔ [۲۰]

تفسیرِ ماثور کا چوتھا اصول 'تفسیر القرآن باقوالِ التابعین' ہے، یعنی اگر قرآن کی تفسیر مذکورہ ماخذِ ثلاثہ سے نہ ہو سکے تو پھر تابعین کے اقوال دیکھے جائیں، جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ اور دوسرے علماء نے لکھا ہے اور اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ [۲۱]

زیادہ تر تفسیری اقوال تابعین سے منسوب ہیں، لیکن اعتماد کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ انتساب صحیح ہے۔ صحابۂ کرام کی طرح تابعین بھی تفسیرِ قرآن کے باب میں بہت محتاط رہتے تھے۔ یزید بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ہم سعید بن المسیبؒ (م ۹۴ھ) سے حرام و حلال کے بارے میں پوچھا کرتے تھے اور وہ سب سے زیادہ قرآن کے جاننے والے تھے۔ لیکن جب ہم قرآن کی کسی آیت کی تفسیر پوچھتے تو وہ اس طرح خاموش رہتے گویا سنا ہی نہیں (سکت کأن لم یسمع)۔ [۲۲] ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں: اذا سئل عن تفسیر آیة من القرآن ، قال: انا لا اقول فی القرآن شیئا [۲۳] "جب قرآن کی کسی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تو فرماتے: ہم قرآن کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔"

صحابہؓ اور تابعینؒ دونوں کا دستور تھا کہ وہ صرف قرآن کے حصۂ محکمات کے بارے میں بات کرنا پسند کرتے تھے اور ان ہی امور پر گفتگو کرتے تھے جن کے بارے میں وہ واضح علم رکھتے تھے۔ سعید بن المسیبؒ ہی کے بارے میں ہے کہ: انّه لا یتکلم الا فی المعلوم من القرآن۔ [۲۴] "قرآن کی جن باتوں کا انھیں علم ہوتا انہی کے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بارے میں وہ کلام کرتے تھے۔"

اس کے علاوہ یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ اقوالِ تابعین کے حجّت ہونے کے بارے میں اہلِ علم کے درمیان اختلاف ہے۔ شعبہ بن الحجاج کہتے ہیں: اقوال التابعین فی الفروع لیست حجة فکیف تکون حجة فی التفسیر ۲۵ "جب فروع میں اقوالِ تابعین حجّت نہیں ہیں تو پھر تفسیر میں کیوں کر حجّت ہو سکتے ہیں۔" امام ابن تیمیہؒ نے اس خیال کا رد کیا ہے۔ اسی حوالے سے علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

> "اگر تابعی نے کسی آیت کی تفسیر براہ راست صحابہ سے نقل کی ہے تو اس کا وہی حکم ہے جو صحابۂ کرام کی تفسیر کا ہے۔ لیکن اگر وہ اس کا اپنا قول ہو تو بھی حجّت ہے، بشرطے کہ کسی دوسرے تابعی کے قول کے خلاف نہ ہو۔ اگر خلاف ہے تو اس صورت میں آیت کی تفسیر کے لیے قرآن، لغت عرب، احادیث نبویہ اور آثار صحابہ پر غور کرنا ہوگا۔" ۲۶

شعبہ بن الحجاج کی طرح امام ابو حنیفہؒ بھی تابعی کے قول کو حجّت نہیں مانتے تھے۔ انھوں نے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ:

> ما جاء عن الرسول فعلی الراس والعین وما جاء عن الصحابة تخیرنا، وما جاء عن التابعین فهم رجال و نحن رجال۔ ۲۷

> "جو کچھ نبی ﷺ سے منقول ہے وہ ہمارے سر آنکھوں پر اور صحابہ سے جو کچھ مروی ہے اس میں سے ہم بہتر کو لیتے ہیں اور جو کچھ تابعین نے کہا ہے تو وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں۔"

یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ بہت سے اقوالِ تابعین ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ بقرہ کی آیت: وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ (آیت ۲۲۸) میں مجاہد کے نزدیک درجہ یعنی فضیلت سے مراد میراث اور جہاد ہے، جس میں مردوں کو عورتوں پر برتری حاصل ہے۔ قتادہ نے اس سے جہاد مراد لیا ہے۔ خود حضرت ابن عباسؓ نے اس سے وہ مہر اور مال مراد لیا ہے جو مرد عورت پر خرچ کرتا ہے۔ ۲۸

اس تفصیلی گفتگو سے بالکل واضح ہوگیا کہ تفسیر ماثور کے اصولِ چہار گانہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


سے اوّل الذکر اصول یعنی تفسیر القرآن بالقرآن کو مستثنیٰ کر کے بقیہ تین اصول یعنی تفسیر القرآن بالسنّہ، تفسیر القرآن باقوال الصحابہ اور تفسیر القرآن باقوالِ التابعین میں کئی باتیں محلِّ نظر ہیں، اس لیے تفسیر قرآن میں ان پر کلّی طور پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ان سے استفادہ کرنے میں حزم و احتیاط لازمی ہے اور تفسیر کا اوّل الذکر اصول ہر حال میں پیش نظر رہنا چاہیے۔

## تفاسیرِ ماثور

تفسیرِ ماثور کے اصولوں کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند ماثور تفسیر کے بارے میں بھی گفتگو کی جائے، کیوں کہ قرآن کے بہت سے قاری تفہیم آیات میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بسا اوقات بے احتیاطی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ماثور تفسیروں میں تین تفسیریں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں، ایک ابن جریر طبریؒ کی 'جامع البیان' (معروف بہ تفسیر طبری)، دوسری 'المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز' جس کے مؤلف ابو محمد عبدالحق بن ابو بکر غالب بن عطیہ غرناطی ہیں اور تیسری تفسیر امام جلال الدین سیوطیؒ کی 'الدر المنثور فی تفسیر الماثور' ہے۔

تفسیر طبری بڑی جامع اور مبسوط تفسیر ہے۔ طبری محدث بھی تھے اور مؤرخ و فقیہ بھی اور اس کے اثرات ان کی تفسیر میں بالکل نمایاں ہیں۔ انھوں نے تفسیر سے متعلق تمام روایات کو اپنی تفسیر میں جمع کر دیا ہے اور اس طرح یہ روایات محفوظ ہوگئی ہیں اور یہ ایک بڑی علمی خدمت ہے۔ لیکن اس کا کم زور پہلو یہ ہے کہ انھوں نے روایات کو تنقیح کے بغیر لے لیا ہے اور ان میں صحیح اور موضوع دونوں طرح کی روایتیں ہیں۔ ان کے کئی راوی غیر ثقہ ہیں۔ ابن حاتم نے طبری کی صحیح روایات کو جمع کیا ہے اور ان روایتوں کو خارج کر دیا ہے جن کے راوی سدی ہیں۔[۲۹] اس نقص سے قطعِ نظر، اس تفسیر میں چند خوبیاں بھی ہیں۔

تفسیر طبری کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ صاحب تفسیر نے الفاظِ قرآن کی تحقیق بڑی دقیقہ رسی کے ساتھ کی ہے اور ان کے مختلف معانی کو نہایت عمدگی سے بیان


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


کیا ہے۔ اس سلسلے میں اشعار عرب سے بھی استناد کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہر آیت سے متعلق مختلف روایتوں کو بیان کرنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ کون سی روایت ان کے نزدیک راجح ہے اور وجوہِ ترجیح بھی بیان کردیے ہیں۔ اس تفسیر کے متعلق امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے:

| | |
|---|---|
| هو من اجل التفاسير المأثورة واعظمها قدراً ۔۳۰ | ''وہ ماثور تفاسیر میں بڑی عظمت رکھتی ہے اور اس کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہے''۔ |

مولانا حمیدالدین فراہیؒ نے تفسیر طبری کے نقائص اور محاسن دونوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

| | |
|---|---|
| فاعلم ان تفسير ابن جرير هو الجامع لكل ماجاء من طريق النقل من غير نقد في الرواية، ولكنه بعد نقل الوجوه المنقولة يبيّن ماهو الصواب عنده. واذاامكنه يجعل المفهوم جامعا للوجوه، ويبحث عن اللغة والاعراب وكثيراً ما يستند بكلام العرب. ومن اجل محاسن هذا التفسير ... أقبلت العلماء عليه. و أما النظر في الروايات من جهة القرآن و المعقول والتاريخ فليس من شأنه حتى أنه جمع من المناكير الكبر من غير تنبيه على نكارتها. وإنما ترك ذلك لاهل النظر فانه لو أراده لم يتيسّر له إتمام هذا الجامع الكبير ۔۳۱ | ''جان لو کہ تفسیر ابن جریر میں جملہ منقولہ روایات کو کسی نقد کے بغیر جمع کردیا گیا ہے۔ لیکن صاحب تفسیر ان روایتوں کو نقل کرنے کے بعد یہ واضح کردیتے ہیں کہ ان میں سے کون سی روایت ان کے نزدیک صحیح اور قابلِ ترجیح ہے۔ اور جہاں ممکن ہوا ہے انھوں نے اس کے مختلف پہلوؤں کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اسی سلسلۂ کلام میں لغت اور اعراب سے بحث کی ہے اور کلام عرب سے بھی بہ کثرت استناد کیا ہے۔ اس تفسیر کی انہی خوبیوں کی وجہ سے علماء نے اس کی طرف توجہ کی ہے۔ لیکن اگر اس کو قرآن، معقول اور تاریخ کے زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو پھر اس پر حرف آتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ انھوں نے اس میں بڑے منکرات تک کو جمع کردیا ہے اور ان پر کوئی فہمائش نہیں کی ہے۔ غالباً انھوں نے اس کام کو اہل نظر کے لیے چھوڑ دیا ہے، کیوں کہ اگر وہ یہ کام خود کرتے تو اس بڑی تفسیر کو مکمل نہیں کرسکتے تھے''۔ |


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



دوسری اہم تفسیرِ ماثور 'المحرر الوجیز' ہے۔ اس تفسیر کے بارے میں علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ''اس نے تمام تفسیر کی کتابوں (تفاسیرِ منقولہ) کا خلاصہ نکال کر رکھ دیا ہے اور ان میں سے قصداً انھی باتوں کو لیا ہے جو صحت سے زیادہ قریب ہیں۔ ان سب معلومات کو جو اہل مغرب اور اندلس میں متداول اور مقبول ہیں اس نے نہایت سلیقہ سے اس کتاب میں مرتب کر دیا ہے۔''۳۲

تیسری اہم تفسیرِ ماثور امام جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) کی 'الدر المنثور' ہے۔ طبری ہی کی طرح انھوں نے بھی روایات کی تنقیح نہیں کی ہے اور اسرائیلیات سے بھی اجتناب نہیں کیا ہے۔ اس تفسیر میں ان کے عہد کے اثرات بالکل نمایاں ہیں۔ اس تفسیر کی خوبی یہ ہے کہ اس میں الفاظ کی تحقیق پر خصوصی توجہ دی گئی ہے اور بعض دوسری مفید باتیں بھی اس میں پائی جاتی ہیں۔

'تفسیر ابن کثیر' اور 'معالم التنزیل' (بغوی) بھی ماثور تفاسیر میں شمار ہوتی ہیں۔

## حواشی و مراجع

۱۔ ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، طبع دمشق، ۱۹۷۱ء، ص ۹۱

۲۔ مقدمہ، ص ۹۳

۳۔ تفسیر ابن کثیر (مقدمہ)، المنار، مصر ۱۳۴۲ھ، ص ۶

۴۔ ابن تیمیہ، مقدمہ، ص ۹۵

۵۔ ایضاً، ص ۱۰۵

۶۔ دیکھیں، راقم کی کتاب، ایمان و عمل کا قرآنی تصور، طبع علی گڑھ، ص ۸۳ تا ۸۸

۷۔ تفسیر طبری، ج ۱، ص ۲۱، مزید دیکھیں، تفسیر القرطبی، ج ۱، ص ۳۱

۸۔ مرسل (مراسیل) سے مراد وہ حدیث ہے جسے تابعی نے کسی سے سن کر نبی ﷺ سے منسوب کر دیا ہو، لیکن اس میں صحابی کے نام کا ذکر نہ ہو۔

۹۔ مقدمہ، ص ۵۱، مزید دیکھیں، الاتقان فی علوم القرآن، ج ۲، ص ۳۰۴



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


۱۰ مقدمہ،ص ۷٦

۱۱ ثعلبی (ابو اسحاق احمد بن محمد نیشا پوری، م ۴۲۴ھ) نے ایک تفسر 'الکشف و البیان' کے نام سے لکھی ہے۔ اس تفسیر کے کچھ اجزا جامع از ہر مصر میں موجود ہیں (مقدمہ، ص ۷۷)۔ اس تفسیر میں زیادہ تر ضعیف اور موضوع روایتیں ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے صاحب تفسیر کے بارے میں لکھا ہے:
"هو فی نفسه كان فيه خير و دين ولكنه كان حاطب ليل، ينقل ماوجد فی كتب التفسير من صحيح وضعيف و موضوع (مقدمہ، ص ۷٦)" وہ یعنی ثعلبی بذات خود اچھا اور دین دار آدمی تھا لیکن اس کے کلام میں رطب و یابس سب موجود ہے۔ کتب تفسیر میں جو بھی صحیح ضعیف اور موضوع روایت مل جاتی ہے اس کو نقل کر دیتا ہے۔"

۱۲ واحدی (علی بن احمد نیشا پوری) نے ثعلبی سے تفسیر کا علم حاصل کیا تھا۔ اس کی کتابوں میں 'اسباب النزول' کے علاوہ تفسیر میں 'البسيط' اور 'الوجيز' قابل ذکر ہیں۔ لیکن اس کی تفسیر میں بھی موضوع روایات کی کثرت ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ "عربی میں اچھی استعداد رکھتا تھا، لیکن اس میں سلامت روی نہیں تھی۔ اس نے اکثر اتباعِ سلف سے گریز کیا ہے۔" (مقدمہ، ص ۷٦)

۱۳ التکمیل فی اصول التاویل، ص ۱۹

۱۴ زیادہ تر حدیثوں کے راویوں کی تعداد چار سے زیادہ نہیں ہے۔ بہت سی حدیثوں کا ایک ہی راوی ہے۔ اسی لیے علمِ حدیث کی اصطلاح میں ایسی حدیثوں کو ظنّی کہا جاتا ہے، یعنی ان میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہے۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب 'المستصفٰی' میں، جو اصول پر ہے، لکھا ہے کہ: خبر الواحد لا يفيد العلم (مستصفٰی، طبع مصر، ص ۱۴) "خبر واحد مفید علم نہیں ہے"۔ آگے 'خبر واحد' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: انا نريد بخبر الواحد فی هذا المقام مالا ينتهی من الاخبار الی حدّ التواتر المفيد للعلم. فما نقله جماعة من خمسة او ستة مثلاً فهو خبر الواحد (ص ۱۴) "اس جگہ خبر واحد سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


ہماری مراد وہ حدیث ہے جو حدّ تواتر تک، جو مفید یقین ہے، نہ پہنچتی ہو، مثلاً ایک حدیث، جسے ایک جماعت پانچ یا چھ راویوں سے روایت کرتی ہو، خبر واحد ہے۔''

۱۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیں، راقم کی کتاب 'خطبات اقبال-ایک مطالعہ'، ص ۲۲۸ تا ۲۳۷

۱۶۔ مقدمہ ابن خلدون، طبع قاہرہ ۱۹۵۷ء، ص ۴۸۹

۱۷۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، اردو ترجمہ: مولوی رشید احمد، مکتبہ برہان دہلی، ص ۲۷، ۲۸

۱۸۔ الفوز الکبیر، ص ۲۹، ۳۰

۱۹۔ تفسیر طبری، ج ۲۹، ص ۷۲

۲۰۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، طبع قاہرہ ۱۹۷۴ء، ج ۲، ص ۲۲۴

۲۱۔ ابن تیمیہ، مقدمہ، ص ۱۰۵

۲۲۔ تفسیر طبری، ج ا، ص ۸۶

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ابن تیمیہ، مقدمہ، ص ۱۰۵

۲۶۔ تفسیر ابن کثیر، ج ا، ص ۵

۲۷۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، طبع قاہرہ ۱۹۶۱ء، ص ۱۲۸

۲۸۔ تفسیر طبری، ج ۴، ص ۵۳۴

۲۹۔ الاتقان، ج ۲، ص ۲۲۴

۳۰۔ مقدمہ، ص ۹۰

۳۱۔ التکمیل فی اصول التاویل، دائرۂ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۴۱۱ھ، ص ۶

۳۲۔ ابن خلدون، مقدمہ، بحوالۂ اردو معارف اسلامیہ، پنجاب، لاہور، ۱۹۶۲ء، ج ۶، ص ۴۹۷

☆☆☆

© rasailojaraid.com